اندازِ فکر میں تبدیلی کی ضرورت ہے

مولانا شمس الحق

یہ بات بار بار کہی جاتی ہے اور اکثر وبیشتر بڑی قوت وزور کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ مسلمانوں کی دینی غیرت وحمیت مرچکی ہے، قوم ماحول کے اثر اور دینی تعلیم سے بے خبر وناواقفیت کی وجہ سے غیروں کی نقالی اور رسوم ورواج کی شکار ہے، اپنے دینی اقدار اور اسلامی امتیازات وخصوصیات سے بہت دور جاپڑی ہے اور غیر قومیں دین اسلام کو اس کے حقائق، انسانیت کی فلاح کے ضامن قواعد اور اصولوں کا اندازہ مسلمانوں کی بے عملی سے لگاتی ہیں اور قیاس کرتی ہیں کہ اسلام اسی کی تعلیم دیتا ہے۔

ہمیں برادرانِ وطن سے بھی دوران سفر بسوں، ٹرینوں میں اس قسم کے سوالات سے واسطہ پڑتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دشمن پریس اور بالخصوص مغربی پریس اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے جو کچھ لکھتا اور پروپیگنڈہ کرتا رہتا ہے اس سے لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کے صاف وشفاف چشمۂ حیوان کے بارے میں نہ صرف یہ کہ شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں بلکہ وہ مسلمانوں کو دنیا کی پسماندہ اور پست ترین قوم سمجھتے ہیں، بلکہ مختلف طریقے اپنا کر ان کو غیر مہذب، دہشت گرد ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگادیتے ہیں، جس کا طبعی اثر یہ پڑتا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر اسلام اور اپنی قوم کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہوجاتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور سینما اور ٹیلی ویژن کے فحش اور دہشت گردی کا ذہن بنانے والے پروگراموں نے موجودہ دنیا کا جو ذہن بنادیا ہے اور اسی کے ساتھ مال، عہدہ اور منصب حاصل کرنے کی حد سے بڑھی ہوئی ہوس نے جو ماحول بنایا ہے، آخر ہمارے مسلمان نوجوان بھی تو اسی ماحول میں پل بڑھ رہے ہیں، یہ بگڑا ہوا ماحول ان کو اسلامی تعلیمات کے سیکھنے سکھانے کی طرف مائل ہی ہونے نہیں دیتا، کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کا ہر آدمی اپنے مذہب کی پوری تعلیمات سے واقف نہیں ہوتا اور نہ یہ ممکن ہے، ہر مذہب کے کچھ مذہبی پیشوا اور علما ہوتے ہیں، جو اپنے عوام کو موقع ومناسبت کے اعتبار سے دینی باتیں بتاتے اور ان کو اس پر عمل کرنے کا شوق دلاتے ہیں، اب اگر ماحول سازگار ہوتا ہے تو علما کے اس بتانے اور سکھانے کا اثر جلد اور زیادہ پڑتا ہے اور ماحول بگڑا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ اس وقت ہے تو علما کے اس کہنے اور بتانے کا اتنا اثر نہیں پڑتا جتنا پڑنا چاہیے، اس لیے بہت سے مسلمانوں میں بہت سی وہ خرابیاں پائی جاتی ہیں جن کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں، لہٰذا ان بے عمل اور غلط کار مسلمانوں کو معیار بنا کر اسلامی

قوانین کو ظالمانہ اور غلط کہنا بڑی زیادتی کی بات ہے، ان حالات اور پروپیگنڈوں کی وجہ سے بے شک مسلمانوں میں بہت سی کمزوریاں پیدا ہوگئی ہیں، جو غیروں کے لیے اسلام کے سمجھنے میں رکاوٹ بنتی ہیں، لیکن یہ حصہ اس سے بہت کم ہے جو اسلام دشمن طاقتوں یہودیت وعیسائیت کی اسلام دشمنی کے منظم پروپیگنڈہ سے اسلام کے بارے میں پیدا ہوتی ہے، اسلام چوں کہ مطابق فطرت اصول وضوابط رکھتا ہے، اس لیے آج کی حیران وسرگرداں دنیا کے جن افراد کو اسلام کے مطالعہ اور مسلمانوں کی بہت سی کمزوریوں کے باوجود مسلمان خاندانوں کو دیکھنے اور ان کے گھریلو نظام میں چھوٹے بڑے کے فرق وادب کا منظر ان کے دلوں میں رشک وحسرت پیدا کرتا ہے اور بہت سے تو اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

سطور بالا کا مقصد یہ ہے کہ بے شک مسلمانوں میں بہت سی کمزوریاں ہیں جن کی..... برابر نشان دہی کرتے رہنے اور احتساب کرتے رہنے کی ضرورت ہے، لیکن مایوس نہیں ہونا چاہیے، قوم زندہ ہے اور زندگی کا ثبوت دے رہی ہے ۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زر خیز ہے ساقی

خود ہمارے اس ملک میں جہاں مسلمانوں کی اقتصادی پسماندگی اور غربت کا برابر ذکر کیا جاتا ہے، کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ قوم کے انہیں افراد کی دینی غیرت وحمیت اور دین سے تعلق ومحبت ہی کی وجہ سے انہیں کے گاڑھے پسینے کی کمائی سے دینی تعلیم کے لیے بڑے بڑے دارالعلوم قائم ہیں اور جگہ جگہ لاکھوں کی تعداد میں مکاتب ومدارس چل رہے ہیں، اگر قوم زندہ نہ ہوتی تو کیا یہ مدارس اسی طرح چل سکتے تھے۔

بے شک جو مدارس ومکاتب قائم ہیں وہ ناکافی ہیں، مزید کی ضرورت ہے اور جو قائم ہیں ان کے نظام کو مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے اور قوم کے جن باحیثیت افراد میں اس کا شعور کم ہے یا نہیں ہے یا مغربی نظام تعلیم سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف سے مایوس وبدگمان ہیں ان کے ذہنوں کو مناسب اور اچھے انداز میں صاف کرنے، مغربی جراثیم کو دور کرنے کی ضرورت ہے، اس زندہ باعزت قوم کے جن افراد میں غفلت یا نمود وشہرت پر رقم خرچ کرنے کا رواج ہے ان کو ہوشیار کرنے اور اسلامی تعلیمات اور خدائی وعدوں سے باخبر کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام بھی تصنیف وتالیف اور مدارس ومکاتب، علما کے مواعظ وتقریروں اور دعوت وتبلیغ کے نام پر لکھنے والے حضرات اور دیگر بہت سے مختلف عنوانوں سے قائم ہونے والی انجمنوں، جماعتوں اور تنظیموں کے ذریعہ انجام دیا جارہا ہے، جس کی دنیا کی کسی قوم میں مثال نہیں مل سکتی، اس لیے برابر یہ کہتے جانا کہ قوم مردہ ہوچکی ہے، زندہ قوم کو پژمردہ بنانے کے مرادف ہوگا۔

اب رہا یہ سوال کہ جب قوم زندہ ہے اور مختلف محاذوں پر کام بھی ہو رہا ہے تو مسلمانوں میں سے وہ خرابیاں کیوں نہیں دور ہوتیں جن کا بار بار تذکرہ ہوتا ہے؟

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے الفاظ میں اس کی وجہ یہ ہے کہ فساد وبگاڑ کا طوفان جتنا تیز اور سخت ہے اس تناسب سے یہ کوششیں اور کاوشیں کم ہیں اور اس زندہ قوم میں جو عمومی بیداری ہونی چاہیے وہ نہیں ہے، لہٰذا قوم پر ماتم کرنے کے بجائے قوم میں عمومی بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور جو کام جن محاذوں پر ہو رہے ہیں ان کو مزید بہتر بنانے کی

ضرورت ہے اور اسی کے ساتھ اس کی بھی شدید ضرورت ہے کہ ہر ایک دوسرے کے کام کو اچھی نظر سے دیکھے اور اگر "المسلم مرآۃ المسلم" (مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے) کے پس منظر میں کسی جماعت، ادارہ یا تحریک وانجمن میں کوئی خامی وکمی محسوس ہوتی ہو تو اس کو بدنام کرنے اور اس کی کمزوری کو اچھالنے کے بجائے مناسب وسنجیدہ طریقہ پر ان کو مشورہ دیا جائے، ایک دوسرے کے کام کو سراہا جائے، اس سے کاموں میں بھی بہتری پیدا ہوگی اور باہمی تعاون بھی حاصل ہوگا۔

اس وقت حالت یہ ہے کہ اگر کسی جماعت کی کسی بات سے اختلاف ہو تو یہ اختلاف مخالفت کی صورت اختیار کر کے بے لگام تنقید وتبصرہ کا دروازہ کھول دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں یہ زندہ قوم انتشار وخلفشار کا شکار ہو کر مختلف کمزوریوں میں مبتلا ہوتی چلی جاتی ہے، لہٰذا دین کے تمام خادموں اور خواص کو اس پہلو پر خصوصی توجہ دینی چاہیے، جذبات سے مغلوب ہو کر یا محض جماعتی عصبیت کی بنا پر ایسا اقدام ہرگز نہ کرنا چاہیے، جس کو کیا تو جاتا ہے حق گوئی وبے باکی کا عنوان دے کر لیکن اس میں در پردہ نفسانیت وجماعتی عصبیت اپنا کام کر رہی ہوتی ہے، جس کی نحوست وبے برکتی کی وجہ سے قوم وملت کو فائدہ سے زیادہ نقصان پہنچتا ہے اور جو وقت وصلاحیت کام اور قوم کی تعمیر میں صرف ہونا چاہیے وہ ان لایعنی باتوں میں صرف ہو کر نقصان کا باعث بن جاتا ہے، مسلمانوں میں اختلاف وانتشار کی ختم نہ ہونے والی صورت کا یہی بڑا سبب ہے، اگر ذرا بھی سنجیدگی وحقیقت پسندی کے ساتھ اس پر غور کیا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی۔

اسی طرح ایک گروہ مفاد پرستوں کا ہوتا ہے، جو محض اپنے ذاتی فائدہ اور حصول جاہ کی خاطر قوم کی ان صلاحیتوں سے جو خام مال کی شکل میں موجود ہوتی ہیں، اشتعال وجذباتیت پیدا کر کے خود فائدہ اٹھاتا ہے اور قوم کو اشتعال وجذباتیت کی بھٹی میں ڈال کر مختلف کمزوریوں کا شکار بنا دیتا ہے اور جب مزاج میں جذباتیت اور مشتعل ہونے کی صلاحیت کو بھڑکا دیا جاتا ہے تو مسائل وحالات پر سنجیدگی سے غور کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، جو برابر فساد وبگاڑ ہی کی طرف لے جاتی ہے۔

لہٰذا اس زندہ قوم میں زندگی کا صور پھونکنے کے لیے ضروری ہے کہ دینی ودعوتی محاذ پر جتنے اور جس انداز سے کام ہو رہے ہیں ان سب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے، یہ خیال وسوچ غلط ہے اور قوم وملت کو نقصان پہنچا رہی ہے کہ جو کام ہم کر رہے ہیں یہی اصل ہے، باقی دوسرے انداز کے جو کام ہو رہے ہیں وہ غلط ہیں، اس سوچ اور طرز فکر سے قوم کے اندر خام مال کی شکل میں جو صلاحیتیں موجود ہیں ان کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے، موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ ہم اس پہلو پر غور کریں اور اس کی روشنی میں اپنا قدم آگے بڑھائیں اور جن موقعوں پر سب کے جمع ہو جانے اور متحد ہو کر کام کرنے کی ضرورت ہو وہاں سب متحد ہو جائیں، اس نازک موقع پر اس کا خیال نہ کریں کہ اس میں کامیابی کی صورت میں اس کا سہرا ہمارے ادارہ یا ہماری جماعت کے سر نہ ہوگا۔ سوچنے کا یہ انداز مثبت نہیں ہے مخلصانہ نہیں، منافقانہ ہے اور حدیث پاک "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے" کے بالکل خلاف ہے، جس کو خواص خوب جانتے ہیں اور یوم الحساب کا ذکر بھی بھی کرتے ہیں، لہٰذا اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اگر کسی بڑے دینی قومی مفاد کو نظر انداز کر کے اپنے محدود کام کے محدود مفاد کو پیش نظر رکھ کر کام کریں گے تو ناعاقبت اندیشانہ اور سلبی کام کہلائے گا۔ ☆☆